سلسلہ اشاعت امامیہ مشن پاکستان رجسٹرڈ لاہور ۴۶

نویں امام علیہ السلام

حضرت امام محمد تقیؑ علیہ السّلام کے مختصر مگر علم افروز
اور عمل انگیز سوانح حیات

از قلم حقیقت رقم

سرکار سیّد العلماء علّامہ علی نقی النقوی
مجتہد العصر لکھنؤ

قیمت ۲ر آنے

امامیہ مشن پاکستان رجسٹرڈ لاہور

کا چھیالیسواں تبلیغی رسالہ "نویں امام" آپ کے زیر نظر ہے جو امامیہ مشن لکھنؤ سے زیر نمبر ۱۷ شائع ہو چکا ہے۔ ائمہ اہل بیت میں سے امام محمد تقی ؑ نے سب سے کم عمر پائی۔ ۲۵ سال کی عمر میں زہر سے شہید ہو کر کاظمین میں مدفون ہوئے۔ مگر شانِ امامت کی آب و تاب کا یہ عالم تھا کہ ۹ سال کی کمسنی میں مامون رشید ایسے فاضل بادشاہ کے بھرے دربار میں ۹ سو علماء کی موجودگی میں وقت کے قاضی القضاۃ یحییٰ ابن اکثم جو مسلمانوں کے درخشاں دورِ علمی کا سب سے بڑا عالم تھا اسکو میدانِ مناظرہ میں ایسی عبرتناک شکست دی جو تاریخی ریکارڈ ہے اور اس علمی فتح کی یادگار خوشی میں مامون نے اپنی بیٹی "ام الفضل" کو آپ کے حبالۂ نکاح میں دینے کا شرف حاصل کیا۔

الحمد للہ کہ کارکنانِ امامیہ مشن پاکستان چہاردہ معصومین ؑ کی مختصر سوانح حیات شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ زیر نظر رسالہ حضرت امام محمد تقی ؑ سے متعلق ہے، سرکار سید العلماء مدظلہ نے انتہائی اختصار کے باوجود ضروری واقعات کے سمندر کو سمیٹ کر کوزہ میں سمو دیا ہے۔ جس کے لئے قوم آنکی ممنونِ احسان ہے۔ ابنائے ملت سے اپیل ہے کہ اس قلیل القیمت مگر کثیر المنافع رسالہ کی توسیع اشاعت میں امکان بھر کوشش فرمائیں ناواقف حضرات تک پہنچانے کے لئے مجالس و محافل میلاد میں انکو بطور تبرک تقسیم کریں اس صورت میں سو رسائل (کوئی ایک یا ملا کر) کی خریدہ پر پچیس فیصد رعایت دیجاتی ہے ہمیں امید ہے کہ ہماری یہ اپیل صدا بصحرا ثابت نہیں ہوگی۔ آپ اپنے اپنے ماحول میں مفت تقسیم کا اہتمام فرمائیں گے جو نہ صرف کارکنان مشن کیلئے حوصلہ افزائی کا باعث بلکہ اس طرح بنی نوع انسان کی خدمت کا مقدس فریضہ بھی ادا ہو سکے گا۔ جو یقیناً خوشنودی خدا کا باعث ہوگا۔

(جنرل سیکریٹری)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نویں امام

زندگی ہمیشہ کی بقا رکھتی ہے، اگر نوعِ انسانی کے لئے صحیح نمونہ بن کر سامنے آئی ہو وہ خود تو عمر کے ختم ہونے کے ساتھ نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہے لیکن اس کے پائیدار نقش جو انسانی دماغوں پر جم گئے ہیں وہ کبھی نہیں مٹتے۔ ایسی ہستیوں کی عمر دیکھنے میں اگر مختصر بھی ہو تو نتیجے کے لحاظ سے اور افادیت پر نظر کرتے ہوئے وہ تاریخ انسانی کا اتنا ہی اہم باب قرار پاتی ہے جتنا زیادہ عمر کو حاصل کر کے کسی انسان کی زندگی ہو سکتی ہے۔ سلسلۂ آلِ محمدؐ میں امام تقی علیہ السّلام کی یہی حیثیت ہے کہ آپ کی عمر اگرچہ اپنے پہلے اور بعد کے تمام ائمہؑ میں سب سے کم ہوئی مگر آپ کے علمی اور عملی خدوخال اور سیرتِ زندگی کے بلند تعلیمات اتنے ہی اہم ہیں جتنے کسی دوسرے معصومؑ کے حالات ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ حالاتِ اہلبیتؑ اطہار کے سلسلہ کا یہ رسالہ ان ہی بزرگوار کی سیرت لکھنے کے لئے مخصوص کیا جا رہا ہے۔

نام و نسب

محمدؐ نام ابوجعفر کنیت اور تقی و جواد دونوں مشہور لقب تھے۔ اسی لئے اسم و لقب کو شریک کر کے آپ امام محمد تقی علیہ السّلام کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں۔ چونکہ آپ کے پہلے امام محمد باقر علیہ السّلام کی کنیت ابوجعفر ہو چکی تھی اس لئے کتابوں میں آپ کو ابوجعفر ثانی اور دوسرے لقب کو سامنے رکھ کر حضرت جواد بھی کہا جاتا ہے۔ والد بزرگوار آپ کے حضرت امام رضاؑ تھے اور والدۂ معظمہ کا نام سبیکہ یا سکینہ تھا۔

ولادت

۱۰ رجب ۱۹۵ھ کو مدینہ منورہ میں ولادت ہوئی۔ اس وقت بغداد کے دارالسلطنت میں ہارون رشید کا بیٹا امین تختِ حکومت پر تھا۔

نشوونما اور تربیت

یہ ایک حسرتناک واقعہ ہے کہ امام محمد تقی علیہ السلام کو نہایت کمسنی کے زمانے ہی میں مصائب اور پریشانیوں کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہو جانا پڑا۔ انہیں بہت ہی کم اطمینان اور سکون کے لمحات میں باپ کی محبت، شفقت اور تربیت کے سایے میں زندگی گزارنے کا موقع مل سکا۔ آپ کو صرف پانچواں برس تھا۔ جب حضرت امام رضا علیہ السلام مدینہ سے خراسان کی طرف سفر کرنے پر مجبور ہوئے۔ امام محمد تقی علیہ السلام اسوقت سے جو اپنے باپ سے جدا ہوئے تو پھر زندگی میں ملاقات کا موقع نہ ملا۔ امام محمد تقی عم سے جدا ہونے کے تیسرے سال امام رضا عم کی وفات ہو گئی۔ دنیا سمجھتی ہو گی کہ امام محمد تقی ع کے لئے علمی اور عملی بلندیوں تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں رہا، اسلئے اب امام جعفر صادق ع کی علمی مسند شاید خالی نظر آئے مگر خلقِ خدا کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس کمسن بچے کو تھوڑے دن بعد مامون کے پہلو میں بیٹھ کر بڑے بڑے علماء سے فقہ اور حدیث، تفسیر اور کلام پر مناظرے کرتے اور ان سب کو قائل ہو جاتے دیکھا۔ انکی حیرت اسوقت تک دور ہونا ممکن نہ تھی جب تک وہ مادی اسباب کے آگے ایک مخصوص خداوندی مدرسۂ تعلیم و تربیت کے قائل نہ ہوتے جس کے بغیر یہ معمہ نہ حل ہوا اور نہ کبھی حل ہو سکتا ہے۔

عراق کا پہلا سفر

جب امام رضا علیہ السلام کو مامون نے ولیعہد بنایا اور

اسکی سیاست اس کی مقتضی ہوئی کہ بنی عباس کو چھوڑ کر بنی فاطمہ سے روابط قائم کیے جائیں
اور اسطرح شیعیانِ اہلبیت کو اپنی جانب مائل کیا جائے تو اس نے ضرورت محسوس کی کہ
خلوص و اتحاد کے مظاہرے کیلئے علاوہ اس قدیم رشتے کے جو ہاشمی خاندان میں ہونے
کی وجہ سے ہے کچھ جدید رشتوں کی بنیاد بھی قائم کر دی جائے۔ چنانچہ اسی جلسہ میں جہاں
ولیعہدی کی رسم ادا کی گئی اس نے اپنی بہن ام حبیبہ کا عقد امام رضاؑ کے ساتھ کیا اور اپنی
ی ام الفضل کی نسبت کا امام محمد تقیؑ کے ساتھ اعلان کیا۔ غالباً اس کا خیال تھا کہ
س طرح امام رضاؑ بالکل اپنے بنائے جاسکیں گے۔ مگر جب اس نے محسوس کیا کہ یہ
پنے ان منصبی فرائض کو جو رسولؐ کے ورثہ دار ہونے کی بنا پر ان کے ذمہ ہیں کسی قیمت پر
وڑنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتے اور اب عباسی سلطنت کا رکن ہونے کے ساتھ ان
ا پر قائم رہنا مدینہ کے محلہ بنی ہاشم میں گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرنے سے کہیں زیادہ
رناک ہے تو اسے اپنے مفادِ سلطنت کے تحفظ کی خاطر اس کی ضرورت ہوئی کہ وہ
ردے کر حضرتؑ کی زندگی کا خاتمہ کر دے۔ مگر وہ مصلحت جو امام رضاؑ کو ولی عہد
ے کی تھی یعنی ایرانی قوم اور جماعتِ شیعہ کو اپنے قبضے میں رکھنا وہ اب بھی باقی تھی
ے لئے ایک طرف تو امام رضاؑ کے انتقال پر اس نے غیر معمولی رنج و غم کا اظہار کیا
ہ اپنے دامن کو حضرتؑ کے خونِ ناحق سے الگ ثابت کر سکے اور دوسری طرف
نے اپنے اس اعلان کی تکمیل ضروری سمجھی جو وہ امام محمد تقیؑ کے ساتھ اپنی لڑکی منسوب
ر چکا تھا۔ اس نے اس مقصد سے امام محمد تقیؑ کو مدینہ سے عراق کی طرف بلوایا
ہ امام رضاؑ کی وفات کے بعد وہ خود خراسان سے اب اپنے خاندان کے پرانے
سلطنت بغداد میں آچکا تھا اور اس نے یہ تہیا کر لیا کہ وہ ام الفضل کا عقد اس صاحبزادے

کے ساتھ بہت جلد کر دے۔

علماء سے مناظرہ

بنی عباس کو مامون کی طرف سے امام رضاؑ کا ولی عہد بنایا جانا ہی ناقابلِ برداشت تھا، امام رضاؑ کی وفات سے ایک حد تک انہیں اطمینان حاصل ہوا تھا اور انہوں نے مامون سے اپنے حسب دلخواہ اس کے بھائی مؤتمن کی ولیعہدی کا اعلان بھی کرا دیا جو بعد میں معتصم باللہ کے نام سے خلیفہ تسلیم کر لیا گیا۔ اس کے علاوہ امام رضاؑ کی ولیعہدی کے زمانے میں عباسیوں کا مخصوص شعار یعنی کالا لباس ترک ہو کر جو سبز لباس کا رواج ہو رہا تھا اسے منسوخ کر کے پھر سیاہ لباس کی پابندی عائد کر دی گئی تھی۔ بنی عباس کے روایات قدیمہ محفوظ رہیں۔ یہ سب باتیں عباسیوں کو یقین دلا رہی تھیں کہ وہ مامون پر پورا قابو پا چکے ہیں۔ مگر اب مامون کا یہ ارادہ کہ وہ امام محمد تقیؑ کو اپنا داماد بنائے ان لوگوں کیلئے پھر تشویش کا باعث بنا۔ اس حد تک کہ وہ اپنے دلی رجحان کو دل میں نہ رکھ سکے اور ایک وفد کی شکل میں مامون کے پاس آ کر اپنے جذبات کا اظہار کر دیا۔ انہوں نے صاف صاف کہا کہ امام رضاؑ کے ساتھ جو آپ نے طریقہ کار اختیار کیا وہی ہم کو ناپسند تھا مگر خیر وہ کم از کم اپنے عمر اور اوصاف و کمالات کے لحاظ سے قابلِ عزت سمجھے بھی جا سکتے تھے مگر یہ ان کے بیٹے محمدؑ تو ابھی بالکل کمسن ہیں ایک بچے کو بڑے بڑے علماء اور معززین پر ترجیح دینا اور اس قدر اسکی عزت کرنا ہرگز خلیفہ کیلئے زیبا نہیں ہے۔ پھر ام حبیبہ کا نکاح جو امام رضاؑ کے ساتھ کیا گیا تھا اس سے ہم کو کیا فائدہ پہنچا جو اب ام الفضل کا نکاح محمد ابن علیؑ کے ساتھ کیا جا رہا ہے۔

مامون نے تمام تقریر کا یہ جواب دیا کہ محمدؑ کمسن ضرور ہیں مگر میں نے خوب اندازہ کر لیا ہے کہ اوصاف و کمالات میں وہ اپنے باپ کے پورے جانشین ہیں اور عالمِ اسلام

کے بڑے بڑے علماء جن کا تم حوالہ دے رہے ہو علم میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اگر تم چاہو تو امتحان لے کر دیکھ لو، پھر تمہیں بھی میرے فیصلے سے متفق ہونا پڑے گا، یہ صرف منصفانہ جواب ہی نہیں بلکہ ایک طرح کا چیلنج تھا جس پر مجبوراً ان لوگوں کو مناظرے کی دعوت منظور کرنا پڑی، حالانکہ خود مامون تمام سلاطین بنی عباس میں یہ خصوصیت رکھتا ہے کہ مورخین اس کے لئے یہ الفاظ لکھ دیتے ہیں۔ کَانَ یُعَدُّ مِنْ کِبَارِ الْفُقَھَاءِ یعنی اس کا شمار بڑے فقیہوں میں ہے، اس لئے اس کا فیصلہ خود کچھ کم وقعت نہ رکھتا تھا مگر ان لوگوں نے اس پر اکتفا نہیں کی بلکہ بغداد کے سب سے بڑے عالم یحییٰ ابن اکثم کو امام محمد تقی علیہ السّلام سے بحث کیلئے منتخب کیا مامون نے ایک عظیم الشان جلسہ اس مناظرے کیلئے منعقد کیا اور عام اعلان کروا دیا، ہر شخص اس عجیب اور بظاہر غیر متوازی مقابلے کے دیکھنے کا مشتاق ہو گیا جس میں ایک طرف ایک نو برس کا بچہ تھا اور دوسری طرف ایک آزمودہ کار اور شہرۂ آفاق قاضی القضاۃ اسی کا نتیجہ تھا کہ ہر طرف سے خلائق کا ہجوم ہو گیا تھا۔ مورخین کا بیان ہے کہ ارکانِ دولت اور معززین کے علاوہ اس جلسے میں نو سو کرسیاں فقط علماء و فضلاء کے لئے مخصوص تھیں اور اس میں کوئی تعجب بھی نہیں اس لئے کہ یہ زمانہ عباسی سلطنت کے شباب اور بالخصوص علمی ترقی کے اعتبار سے سنہری دور تھا اور بغداد دار السلطنت تھا جہاں تمام اطراف سے مختلف علوم و فنون کے ماہرین کھنچ کر جمع ہو گئے تھے۔ اس اعتبار سے یہ تعداد کسی مبالغہ پر مبنی معلوم نہیں ہوتی۔

مامون نے حضرت امام محمد تقی ؑ کے لئے اپنے پہلو میں مسند بچھوائی تھی اور حضرتؑ

کے سامنے یحییٰ ابن اکثم کے لئے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ ہر طرف کامل سناٹا تھا۔ مجمع ہمہ تن چشم و گوش بنا ہوا گفتگو شروع ہونے کے وقت کا منتظر ہی تھا کہ اس خاموشی کو یحییٰ کے اس سوال نے توڑ دیا جو اس نے مامون کی طرف مخاطب ہو کر کیا تھا "حضور کیا مجھے اجازت ہے کہ میں ابو جعفرؑ سے کوئی مسئلہ دریافت کروں۔"

مامون نے کہا "تم کو خود انہی سے اجازت طلب کرنا چاہیئے۔"

یحییٰ، امامؑ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا۔ "کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں آپ سے کچھ دریافت کروں؟"

فرمایا۔ "تم جو پوچھنا چاہو پوچھ سکتے ہو۔"

یحییٰ نے پوچھا کہ "حالت احرام میں اگر کوئی شخص شکار کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟"

اس سوال سے اندازہ ہوتا ہے کہ یحییٰ حضرت امام محمد تقیؑ کی علمی بلندی سے بالکل واقف نہ تھا، وہ اپنے غرورِ علم اور جہالت سے یہ سمجھتا تھا کہ یہ کم سن صاحبزادے تو ہیں ہی، روزمرہ کے روزے نماز کے مسائل سے واقف ہوں تو ہوں مگر حج وغیرہ کے احکام اور حالتِ احرام میں جن چیزوں کی ممانعت ہے ان کے کفاروں سے بھلا کہاں واقف ہوں گے۔

امام نے اس کے جواب میں اس طرح سوال کے گوشوں کی الگ الگ تحلیل فرمائی جس سے بغیر کوئی جواب اصل مسئلے کا دیئے ہوئے آپ کے علم کی گہرائیوں کا یحییٰ اور تمام اہلِ محفل کو اندازہ ہو گیا۔ یحییٰ خود بھی اپنے کو سبک پانے لگا اور تمام مجمع بھی اس کا سبک ہونا محسوس کرنے لگا۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ تمہارا سوال بالکل مبہم اور مہمل ہے۔ یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ شکار حل

نہیں تھا یا حرم میں، شکار کرنے والا مسئلے سے واقف تھا یا ناواقف، اس نے عمداً اس جانور کو مار ڈالا یا دھوکے سے قتل ہو گیا، وہ شخص آزاد تھا یا غلام، کم سن تھا یا بالغ، پہلی مرتبہ ایسا کیا تھا یا اس کے پہلے بھی ایسا کر چکا تھا۔ شکار پرندہ کا تھا یا کوئی اور چھوٹا تھا یا بڑا۔ وہ اپنے فعل پہ اصرار رکھتا ہے یا پشیمان ہے۔ رات کو یا پوشیدہ طریقہ پہ اس نے یہ شکار کیا یا دن دہاڑے اور علانیہ۔ احرام عمرہ کا تھا یا حج کا۔ جب تک یہ تمام تفصیلات نہ بتائے جائیں اس مسئلے کا کوئی معین حکم نہیں بتایا جا سکتا۔"

یحییٰ کتنا ہی ناقص کیوں نہ ہوتا بہر حال فقہی مسائل پر کچھ نہ کچھ اس کی نظر تھی، وہ ان کثیر التعداد شقوں کے پیدا کرنے ہی سے خوب سمجھ گیا کہ انکا مقابلہ میرے لیئے آسان نہیں ہے اس کے چہرے پہ ایسی شکستگی کے آثار پیدا ہوئے جن کا تمام دیکھنے والوں نے اندازہ کر لیا اب اس کی زبان خاموش تھی اور وہ کچھ جواب نہ دیتا تھا۔ مامون نے اسکی کیفیت کا صحیح اندازہ کر کے اس سے کچھ کہنا بیکار سمجھا اور حضرتؑ سے عرض کیا کہ "پھر آپ ہی ان تمام شقوں کے احکام بیان فرما دیجیئے تاکہ ہم سب کو استفادہ کا موقعہ مل سکے۔ امامؑ نے تفصیل کے ساتھ تمام صورتوں کے جداگانہ جو احکام تھے بیان فرمائے یحییٰ ہکا بکا امامؑ کا منہ دیکھ رہا تھا اور بالکل خاموش تھا۔ مامون کو بھی کد تھی کہ وہ یحییٰ کی رسوائی کو انتہائی درجے تک پہنچا دے۔ اس نے امامؑ سے عرض کیا کہ "اگر مناسب معلوم ہو تو آپ بھی یحییٰ سے کوئی سوال فرمائیں" حضرتؑ نے اخلاقاً یحییٰ سے دریافت فرمایا کہ "کیا میں بھی تم سے کچھ پوچھ سکتا ہوں"۔ یحییٰ اب اپنے متعلق کسی دھوکے میں مبتلا نہ تھا۔ اپنا اور امامؑ کا درجہ اسے خوب معلوم ہو چکا تھا۔ اس لیئے طرز گفتگو اس کا اب دوسرا ہی تھا۔ اس نے کہا "حضور دریافت فرمائیں، اگر مجھے معلوم ہو گا تو عرض کر دونگا ورنہ خود حضور ہی سے معلوم کر لونگا"

حضرتؑ نے سوال کیا جس کے جواب میں یحییٰ نے کھلے لفظوں میں اپنی عاجزی کا اقرار کیا اور پھر امامؑ نے خود اس سوال کو حل فرما دیا۔ مامون کو اپنی بات کے اونچا رہنے کی خوشی تھی۔ اس نے مجمع کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ "دیکھو میں نہ کہتا تھا کہ یہ وہ گھرانا ہے جو قدرت کی طرف سے علم کا مالک قرار دیا گیا ہے۔ یہاں کے بچوں کا بھی کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔" مجمع میں جوش و خروش تھا۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ بیشک جو آپکی رائے ہے وہ بالکل ٹھیک ہے۔ اور یقیناً ابو جعفر محمد ابن علیؑ کا کوئی مثل نہیں ہے۔ مامون نے اسکے بعد ذرا بھی تاخیر مناسب نہیں سمجھی اور اسی جلسے میں امام محمد تقی علیہ السلام کے ساتھ ام الفضل کا عقد کر دیا۔ نکاح کے قبل جو خطبہ عموماً پڑھا جاتا ہے وہی ہے کہ جو امام محمد تقیؑ نے اس عقد کے موقع پر اپنی زبان مبارک پر جاری کیا تھا۔ یہی بطور یادگار نکاح کے موقعہ پہ باقی رکھا گیا ہے۔ مامون نے اس شادی کی خوشی میں بڑی فیاضی سے کام لیا۔ لاکھوں روپیہ خیرات میں تقسیم کیا گیا اور تمام رعایا کو انعامات و عطایا کے ساتھ مالا مال کیا گیا۔

مدینہ کی طرف واپسی

شادی کے بعد تقریباً ایک سال تک امام محمد تقیؑ بغداد میں مقیم رہے، اس کے بعد مامون نے بہت اہتمام کے ساتھ ام الفضل کو حضرتؑ کے ساتھ رخصت کر دیا اور امامؑ مدینہ میں واپس تشریف لائے۔

اخلاق و اوصاف

امام محمد تقیؑ اخلاق و اوصاف میں انسانیت کی اس بلندی پر تھے جس کی تکمیل رسولؐ اور آلِ رسولؑ کا طرۂ امتیاز تھی۔ ہر ایک سے جھک کر ملنا، ضرورت مندوں کی حاجت روائی کرنا، مساوات اور سادگی کو ہر حال میں پیش نظر رکھنا، غرباء کی پوشیدہ طور پر خبر لینا، دوستوں کے علاوہ دشمنوں تک سے اچھا سلوک کرتے رہنا، مہمانوں کی خاطر داری میں انہماک اور

علمی اور مذہبی پیاسوں کے لئے فیض کے چشموں کا جاری رکھنا آپؑ کی سیرت زندگی کا نمایاں پہلو تھا۔ بالکل ویسا ہی جیسے اس سلسلہ عصمت کے دوسرے افراد کا تھا۔ جن کے حالات اس کے پہلے رسالوں میں لکھے جا چکے ہیں۔

اہل دنیا جو آپؑ کے بلندئ نفس کا پورا اندازہ نہ رکھتے تھے انہیں یہ تصور ضرور ہوتا تھا کہ ایک کمسن بچے کا عظیم الشان مسلمان سلطنت کے شہنشاہ کا داماد ہو جانا یقیناً اس کے چال ڈھال طور طریقے کو بدل دیگا اور اسکی زندگی دوسرے سانچے میں ڈھل جائے گی حقیقت میں یہ ایک بہت بڑا مقصد ہو سکتا ہے جو مامون کی کوتاہ نگاہ کے سامنے بھی تھا۔ بنی امیہ یا بنی عباس کے بادشاہوں کو آل رسولؐ کی ذات سے اتنا اختلاف نہ تھا جتنا انکے صفات سے۔ وہ ہمیشہ اسکے درپے رہتے تھے کہ بلندئ اخلاق اور معراج انسانیت کا وہ مرکز جو مدینہ منورہ میں قائم ہے اور جو سلطنت کے مادی اقتدار کے مقابلے میں ایک مثالی روحانیت کا مرکز بنا ہوا ہے یہ کسی طرح ٹوٹ جائے۔ اسی کے لئے گھبرا گھبرا کر وہ مختلف تدبیریں کرتے تھے امام حسینؑ سے بیعت طلب کرنا اسی کی ایک شکل تھی اور پھر امام رضاؑ کو ولیعہد بنانا اسی کا دوسرا طریقہ۔ فقط ظاہری شکل و صورت میں ایک کا انداز معاندانہ اور دوسرے کا طریقہ ارادت مندی کے روپ میں تھا۔ مگر اصل حقیقت دونوں صورتوں کی ایک تھی جس طرح امام حسینؑ نے بیعت نہ کی تو وہ شہید کر ڈالے گئے۔ اسی طرح امام رضاؑ ولیعہد ہونے کے باوجود حکومت کے مادی مقاصد کے ساتھ ساتھ نہ چل سکے تو آپ کو زہر کے ذریعے سے ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا گیا۔

اب مامون کے نقطۂ نظر سے یہ موقع انتہائی قیمتی تھا کہ امام رضاؑ کا جانشین

تقریباً آٹھ برس کا ایک بچہ ہے جو تین برس پہلے ہی باپ سے چھڑالیا جا چکا تھا حکومت وقت کی سیاسی سوجھ بوجھ کہہ رہی تھی کہ اس بچے کو اپنے طریقے پر لانا نہایت آسان ہے اور اس کے بعد وہ مرکز جو حکومتِ وقت کے خلاف ساکن اور خاموش مگر انتہائی خطرناک قائم ہے ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیگا۔

مامون امام رضاؑ کے ولیعہدی کی مہم میں اپنی ناکامی کو مایوسی کا سبب نہیں تصور کرتا تھا اس لئے کہ امام رضاؑ کی زندگی ایک اصول پر قائم رہ چکی تھی، اس میں تبدیلی اگر نہیں ہوئی تو یہ ضروری نہیں کہ امام محمد تقیؑ جو آٹھ برس کے سن سے قصرِ حکومت میں نشو و نما پاکر بڑھیں وہ بھی بالکل اپنے بزرگوں کے اصول زندگی پر برقرار رہیں۔

سوائے ان کم لوگوں کے جو ان مخصوص افراد کے خداداد کمالات کو جانتے تھے اسوقت کا ہر شخص یقیناً مامون ہی کا ہم خیال ہوگا۔ مگر دنیا کو حیرت ہوگئی جب یہ دیکھا کہ وہ نو برس کا بچہ جسے شہنشاہِ اسلام کا داماد بنایا گیا ہے اس عمر میں اپنے خاندانی رکھ رکھاؤ اور اصول کا اتنا پابند ہے کہ وہ شادی کے بعد محل شاہی میں قیام سے انکار کر دیتا ہے اور اسوقت بھی کہ جب بغداد میں قیام رہتا ہے تو ایک علیحدہ مکان کرایہ پر لے کر اس میں قیام فرماتے ہیں۔ اس سے بھی امامؑ کی مستحکم قوتِ ارادی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ عموماً مالی اعتبار سے لڑکی والے کچھ بھی بڑا درجہ رکھتے ہوتے ہیں تو وہ یہ پسند کرتے ہیں کہ جہاں وہ رہیں وہیں داماد بھی رہے۔ اس گھر میں نہ سہی تو کم از کم اسی شہر میں اس کا قیام رہے۔ مگر امام محمد تقیؑ نے شادی کے ایک سال بعد ہی مامون کو حجاز واپس جانیکی اجازت پر مجبور کر دیا۔ یقیناً یہ امر ایک چاہنے والے باپ اور مامون ایسے با اقتدار کے لئے انتہائی ناگوار تھا مگر اسے لڑکی کی جدائی گوارا کرنی پڑی اور امامؑ مع ام الفضل

کے مدینہ تشریف لے گئے۔

مدینہ میں تشریف لانے کے بعد ڈیوڑھی کا وہی عالم رہا جو اس کے پہلے تھا۔ نہ پہرے دار نہ کوئی خاص روک ٹوک نہ تزک و احتشام نہ اوقاتِ ملاقات نہ ملاقاتیوں کے ساتھ برتاؤ میں کوئی تفریق۔ زیادہ تر نشست مسجدِ نبوی میں رہتی تھی۔ جہاں مسلمان حضرتؑ کے وعظ و نصیحت سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ راویانِ حدیث اخبار و احادیث دریافت کرتے تھے۔ طلاب علم مسائل پوچھتے تھے۔ صاف ظاہر تھا کہ جعفر صادقؑ ہی کا جانشین ہے جو اسی مسندِ علم پر بیٹھا ہوا ہدایت کا کام انجام دے رہا ہے

امورِ خانہ داری اور ازدواجی زندگی میں آپ کے بزرگوں نے اپنی بیویوں کو جن حدود میں رکھا ہوا تھا انہی حدود میں آپ نے ام الفضل کو بھی رکھا۔ آپ نے اس کی مطلق پرواہ نہ کی کہ آپکی بیوی ایک شہنشاہِ وقت کی بیٹی ہیں۔ چنانچہ ام الفضل کے ہوتے ہوئے آپ نے حضرت عمار یاسر کی نسل سے ایک محترم خاتون کے ساتھ عقد بھی فرمایا! اور قدرت کو نسل امامت اسی خاتون سے باقی رکھنا منظور تھی۔ یہی امام علی نقیؑ کی ماں ہوئیں۔ ام الفضل نے اسکی شکایت اپنے باپ کے پاس لکھ کر بھیجی۔ مامون کے دل کیلئے بھی یہ کچھ کم تکلیف دہ امر نہ تھا مگر اسے اب اپنے کیئے کو نباہنا تھا، اس نے ام الفضل کو جواب لکھا کہ میں نے تمہارا عقد ابو جعفرؑ کے ساتھ اس لئے نہیں کیا ہے کہ ان پر کسی حلال خدا کو حرام کر دوں۔ مجھ سے اب اس قسم کی شکایت نہ کرنا۔

یہ جواب دیکر حقیقت میں اس نے اپنی خفت مٹائی ہے۔ ہمارے سامنے اس کی نظیریں موجود ہیں کہ اگر مذہبی حیثیت سے کوئی بااحترام خاتون ہوئی ہے تو اسکی زندگی میں کسی دوسری بیوی سے نکاح نہیں کیا گیا۔ جیسے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

لئے جناب خدیجہؑ اور حضرت علی مرتضیٰؑ کے لئے جناب فاطمہ زہراؑ۔ مگر شہنشاہ دنیا کی بیٹی کو یہ امتیاز دینا صرف اسلئے کہ وہ ایک بادشاہ کی بیٹی ہے اسلام کی اس روح کے خلاف تھا جس کے آلِ محمدؐ محافظ تھے۔ اسلئے امام محمد تقیؑ نے اس کے خلاف طرزِ عمل اختیار کرنا اپنا فریضہ سمجھا۔

تبلیغ وہدایت

آپکی تقریر بہت دلکش اور پُر تاثیر ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ زمانہ حج میں مکہ معظمہ میں مسلمانوں کے مجمع میں کھڑے ہو کر آپؑ نے احکام شرع کی تبلیغ فرمائی تو بڑے بڑے علماء دم بخود اور دنگ رہ گئے۔ اور انہیں اقرار کرنا پڑا کہ ہم نے ایسی جامع تقریر کبھی نہیں سنی۔

امام رضاؑ کے زمانہ میں ایک گروہ پیدا ہو گیا تھا جو امام موسیٰ کاظمؑ پر توقف کرتا تھا۔ یعنی آپ کے بعد امام رضا علیہ السلام کی امامت کا قائل نہیں تھا۔ اور اسی لئے واقفیہ کہلاتا تھا امام محمد تقیؑ نے اپنے دور میں اس گروہ میں ایسی کامیاب تبلیغ فرمائی کہ سب اپنے عقیدے سے تائب ہو گئے اور آپکے زمانہ ہی میں کوئی ایک شخص ایسا باقی نہ رہ گیا جو اس مسلک کا حامی ہو۔

بہت سے بزرگ مرتبہ علماء نے آپ سے علوم اہلبیتؑ کی تعلیم حاصل کی۔ آپ کے ایسے مختصر حکیمانہ مقولوں کا بھی ایک ذخیرہ ہے جیسے آپ کے جد بزرگوار حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کے کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ جناب امیر علیہ السلام کے بعد امام محمد تقیؑ کے مقولوں کو ایک خاص درجہ حاصل ہے۔ الٰہیات اور توحید کے متعلق آپ کے بعض بلند پایہ خطبے بھی موجود ہیں۔

عراق کا آخری سفر

۲۱۸ھ میں مامون نے دنیا کو خیرباد کہا۔ اب مامون کا بھائی اور ام الفضل کا چچا معتصم جو امام رضاؑ کے بعد ولیعہد بنایا گیا

چکا تھا تختِ سلطنت پر بیٹھا اور معتصم باللہ عباسی کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کے بیٹھتے ہی امام محمد تقیؑ سے متعلق ام الفضل کے اسی طرح کے شکایتی خطوط کی رفتار بڑھ گئی جس طرح کے اس نے اپنے باپ مامون کو بھیجے تھے۔ مامون نے چونکہ تمام بنی عباس کی مخالفتوں کے بعد بھی اپنی لڑکی کا نکاح امام محمد تقی علیہ السلام کے ساتھ کر دیا تھا اسلئے اپنی بات کی پچ اور کیئے کی لاج رکھنے کی خاطر اس نے ان شکایتوں پر کوئی توجہ نہیں کی۔ بلکہ مایوس کر دینے والے جواب سے بیٹی کی زبان بند کر دی۔ مگر معتصم کو جو امام رضاؑ کی ولیعہدی کا داغ اپنے سینہ پر اٹھائے ہوئے تھا اور امام محمد تقیؑ کو داماد بنائے جانے سے تمام بنی عباس کے نمائندے کی حیثیت سے پہلے ہی اختلاف کرنے والوں میں پیش پیش رہ چکا تھا اب ام الفضل کے شکایتی خطوں کو اہمیت دیکر اپنے اس اختلاف کو جو اس نکاح سے تھا حق بجانب ثابت کرنا تھا۔ پھر سب سے زیادہ امام محمد تقیؑ کی علمی مرجعیت آپ کے اخلاقی اثر کا شہرہ جو حجاز سے بڑھ کر عراق تک پہنچا ہوا تھا وہ بنائے مخاصمت ہو معتصم کے بزرگوں کو امام محمد تقیؑ کے بزرگوں سے رہ چکی تھی اور پھر اس سیاست کی ناکامی اور منصوبے کی شکست کا محسوس ہو جانا جو اس عقد کا محرک ہوا تھا جس کی تشریح پہلے ہو چکی ہے۔ یہ تمام باتیں تھیں کہ معتصم مخالفت کے لئے آمادہ ہو گیا۔ اپنی سلطنت کے دوسرے ہی سال امام محمد تقیؑ کو مدینہ سے بغداد کی طرف بلوا بھیجا۔ حاکم مدینہ عبدالملک کو اس بارے میں تاکیدی خط لکھا، مجبوراً امام محمد تقیؑ اپنے فرزند حضرت امام علی نقیؑ اور ان کی والدہ کو مدینہ میں چھوڑ کر بغداد کی طرف روانہ ہوئے۔

وفات

بغداد میں تشریف لانے کے بعد تقریباً ایک سال تک معتصم نے آپ کے ساتھ بظاہر کوئی سختی نہیں کی مگر آپ کا یہاں کا قیام خود ہی ایک جبری

حیثیت رکھتا تھا۔ جسے نظر بندی کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد اسی خاموش حربے سے جو اکثر اس خاندان کے بزرگوں کے خلاف استعمال کیا جا چکا تھا آپؑ کی زندگی کا خاتمہ کر دیا گیا۔ اور ۲۹ ذی القعدہ ۲۲۰ھ میں زہر سے آپ کی شہادت ہوئی اور اپنے جدِ بزرگوار حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کے پاس دفن ہوئے۔ آپ ہی کی شرکت کا لحاظ کر کے عربی کے قاعدے اس شہر کا نام کاظمین (دو کاظم یعنی غصہ ضبط کرنے والے) مشہور رہا ہے اس میں حضرت موسیٰ کاظمؑ کے لقب کو صراحتہً سامنے رکھا گیا جبکہ موجودہ زمانے میں اسٹیشن کا نام جوادین (دو جواد یعنی فیاض) درج ہے۔ جس میں صراحتہً حضرت امام محمد تقیؑ کے لقب کو ظاہر کیا جا رہا ہے۔ چونکہ آپ کا لقب تقی بھی تھا اور جواد بھی

رضوی سید

یہ ایک حقیقت ہے کہ جتنے سادات رضوی کہلاتے ہیں وہ دراصل تقوی ہیں یعنی حضرت امام محمد تقیؑ کی اولاد ہیں۔ اگر حضرت امام رضاؑ کی اولاد امام محمد تقیؑ کے علاوہ کسی اور فرزند کے ذریعہ سے بھی ہوتی تو امتیاز کے لئے وہ اپنے کو رضوی کہتی اور امام محمد تقیؑ کی اولاد اپنے کو تقوی کہتی۔ مگر چونکہ امام رضاؑ کی نسل صرف امام محمد تقیؑ سے چلی اور حضرت امام رضاؑ کی شخصی شہرت سلطنت عباسیہ کے ولیعہد ہونے کی وجہ سے جمہور مسلمین میں بہت ہو چکی تھی اس لئے تمام اولاد کا حضرت امام رضاؑ کی طرف منسوب کر کے تعارف کیا جانے لگا۔ اور رضوی کے نام سے مشہور ہو گئے

(مطبوعہ تعلیمی پریس لاہور)